09884

دار الافتاء
فتویٰ نمبر ۳/۱۹۲۶
جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

0024

باسمہ سبحانہ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

1. میں ایک کمپنی میں ملازمت کرتا ہوں اور میرا شعبہ خریداری سے تعلق ہے۔ کمپنی کی طرف سے ہمیں پابندی ہوتی ہے کہ کم سے کم ریٹ میں چیز خریدیں اور مہنگے ریٹ میں ہر گز نہ خریدیں اور بعض اوقات ہماری خرید کردہ اشیاء کی تحقیق بھی کی جاتی ہے کہ مارکیٹ میں کم سے کم کیا ریٹ چل رہا ہے اور ہم نے کس ریٹ پر خریداری کی۔ اگر فرق ہو تو ہم سے پوچھ گچھ ہوتی ہے اور اگر زیادہ فرق ہو تو ہماری سرزنش ہوتی ہے۔

اب جب ہم کسی چیز کی خریداری کرنے کیلئے مختلف لوگوں سے ریٹ لیتے ہیں تو ہمیں اندازہ ہو جاتا ہے کہ کون شخص کتنا نفع رکھ کے ریٹ بتا رہا ہے؛ جیسے مثال کے طور پر ہمیں پتہ ہوتا ہے یہ چیز 470 روپے کی ہے اور اس چیز کے مختلف لوگوں نے 490 سے اوپر بتائے ہیں جو کہ سب زیادہ ہیں۔ اسی طرح بعض اوقات یہ پتہ نہیں بھی چلتا کہ وہ ہم سے کس قدر زیادہ پیسے لے رہے ہیں۔

تاہم دونوں صورتوں میں ہم جب ان سے یہ کہتے ہیں کہ اس میں کچھ پیسے کم کرو تو وہ نہیں کرتے۔ لہٰذا ہم ایک اور طریقہ اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں ایک اور سپلائر 480 روپے میں دے رہا ہے تو ایسی صورت میں وہ ریٹ کم کر دیتے ہیں۔ جبکہ حقیقت میں یہ ریٹ ہمیں کسی نے نہیں بتایا ہوتا، ہم صرف ریٹ کم کروانے کیلئے ایسا کہتے ہیں۔ اور ہمارے ایسا کہنے سے ان کا کوئی نقصان نہیں ہوتا البتہ متوقع نفع کچھ کم ہو جاتا ہے اور وہ اپنی خوشی سے مال ہمیں فروخت کر دیتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ:

أ. اس طرح کہنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

ب. اس طریقے سے ریت کم کرا کر خریدی ہوئی چیز کا کیا حکم ہوگا؟

ت. اگر یہ درست نہیں تو ایسی کیا صورت اختیار کی جاسکتی ہے کہ وہ چیز ہمیں سستی مل جائے اور نقصان نہ ہو۔؟ کیونکہ اگر ایسا نہ کہا جائے تو ریٹ کم نہیں کرتے۔

2. دبئی میں ہمارا اجناس کا کاروبار ہے۔ وہاں بڑی بڑی پارٹیوں کے ساتھ اکثر اوقات ادھار پر معاملات چل رہے ہوتے ہیں اور ہم ادھار پر مال دیتے رہتے ہیں اور یہ ادھار عموماً 60 دن کی مدت کا ہوتا ہے۔۔ باوجود اعتماد کے ہمیں اس بات کا شدید خطرہ رہتا ہے کہ کسی بھی وقت ہمارا خریدار غائب ہو جائے اور ہماری ساری رقم ڈوب جائے۔ اس قسم کے کئی واقعات پہلے وہاں پیش آچکے ہیں۔ اس خطرے سے بچنے کیلئے وہاں کی انشورنس کمپنیوں نے یہ سہولت دے رکھی ہے کہ وہ قرض اور

Scanned by CamScanner

مدت کے حساب سے گارنٹی لے لیتے ہیں کہ اگر اس خریدار نے اتنی مدت میں رقم نہ دی تو یہ رقم ہم آپ کو دیں گے اور اس کے بدلے میں وہ اپنی فیس لیتے ہیں۔

مزید وضاحت یہ کہ مثلاً اگر ہم دس ہزار درھم کے چاول بیچتے ہیں اور اس کی انشورنس کرواتے ہیں تو جب یہ رقم وصول ہو گی اس وقت ہمیں اس کے بدلے میں کل رقم کا 7 فیصد انشورنس کمپنی کو دینا ہو گا۔ اسی طرح اگر ایک کرُوڑ درہم کی ضمانت لیتے ہیں تو جب کل رقم وصول ہو گی اس کا چار فیصد انشورنس والوں کو دینا ہو گا۔ اور اگر ہمارا خریدار غائب ہو گیا یا بروقت رقم ادا نہ کر سکا تو انشورنس کمپنی ہمیں وقت پورا ہونے پر اپنی طرف سے وہ رقم دے دے گی اور اس میں سے اپنی طے شدہ فیس کاٹ لے گی۔ ہمیں ہر صورت میں ہماری رقم واپس مل جائے گی اگرچہ اور وہ رقم انہیں ملے یا نہ ملے، ہمیں اس سے غرض نہیں ہوتی۔ یہ انشورنس کروانا کاروباری طبقے کی مجبوری ہے اور اس ضمانت سے انہیں بہت آسانی ہو جاتی ہے، ورنہ تو ہر وقت پیسے ڈوبنے کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔

اس صورتحال کے پیشِ نظر میرا سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح اپنے پیسوں کی ضمانت لینا جائز ہے؟

شکیل احمد

پرچیز آفیسر - آرم ٹک کراچی

03018246953

دار الافتاء

(جواب منسلک ہے)

Scanned by CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب حامداً ومصلیاً

﴿۱﴾۔۔۔قیمت کم کروانے کیلئے سوال میں ذکر کردہ الفاظ کہنا جھوٹ ہے، جس کی شرعاً اجازت نہیں، اس سے بچنا ضروری ہے۔البتہ صریح جھوٹ بولے بغیر اگر مارکیٹ ریٹ کا حوالہ دینے کی کوئی صورت ممکن ہو تو وہ اختیار کی جاسکتی ہے۔

واضح رہے کہ قیمت کم کروانے کیلئے مذکورہ طریقہ اختیار کرنے کے بعد اگر باہمی رضامندی سے کسی قیمت پر سودا ہو جائے تو بیع درست ہو جائے گی اور خریدی ہوئی چیز کا استعمال کرنا بھی جائز ہوگا، بشرطیکہ وہ چیز فی نفسہٖ جائز اور حلال ہو، لیکن جھوٹ بولنے کا گناہ ہوگا۔

الدر المختار - (۶ / ۴۲۷)

الکذب مباح لإحياء حقه ودفع الظلم عن نفسه والمراد التعريض لأن عين الكذب حرام

﴿۲﴾۔۔۔گارنٹی کی سہولت فراہم کرنا شرعاً "عقدِ کفالہ" کہلاتا ہے، جو کہ فی نفسہٖ جائز ہے، لیکن چونکہ "کفالہ" عقدِ تبرع ہے، اس لئے اس کے بدلے اجرت (فیس) وصول کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، البتہ گارنٹی دینے پر جو حقیقی اخراجات ہوں وہ کمپنی آپ سے وصول کر سکتی ہے۔لہٰذا صورتِ مسئولہ میں انشورنس کمپنی کے لئے حقیقی اخراجات کے علاوہ گارنٹی دینے کے بدلے فیس لینا اور آپ کے لیے دینا جائز نہیں ہے۔تاہم اگر کسی ایسی تکافل کمپنی یا غیر سودی بینک سے گارنٹی کا معاملہ کیا جائے جو مستند علماءِ کرام کی زیرِ نگرانی شرعی اصولوں کے مطابق کام کر رہا ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

کتاب المعاییر - (ص: ۲۷)

۳/۱/۵ لا يجوز أخذ الأجر ولا إعطاؤه مقابل مجرد الكفالة مطلقا، ويحق للكفيل استيفاء المصروفات الفعلية للكفالة، ولا يلزم المؤسسة الاستفسار عن كيفية الحصول على الكفالة المقدمة إليها من العميل.............**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب**

محمد حذیفہ عفا اللہ عنہ

دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی

۱۰/صفر المظفر۔۱۴۳۹ھ

۳۱/اکتوبر۔۲۰۱۷ء

الجواب صحیح

احقر محمود اشرف عفا اللہ عنہ

۱۰/۲/۱۴۳۹ھ

دار الافتاء

فتویٰ نمبر ۳/۱۹۲۵

۳۹/۲/۱۱

۲۰۱۷/۱۱/۱

مفتی

Scanned by CamScanner